هفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ
شیرانوالہ دروازہ لاہور

مورخہ ۱۶ / مارچ ۱۹۶۲ء

ہدیہ ۲۵ پیسے

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

آج وہ عارفِ حق مرشدِ ایماں نہ رہا

کیپٹن منظور حسن ایم۔اے۔ گوجرانوالہ (مریدِ حضرت قدس سرہ العزیز)

بزمِ انجم میں فروغِ مہِ تاباں نہ رہا
مطلعِ صدق پہ خورشیدِ درخشاں نہ رہا

کیوں نظر آئے نہ اب گلشنِ گیتی ویراں
مہر و احسان و کرم کا گلِ خنداں نہ رہا

خادمِ بارگہِ احمدؐ و دربارِ علیؓ
دولتِ دین و عزیمت کا نگہباں نہ رہا

نام تقویٰ کا زمانے میں تھا زندہ جس سے
وہ علمدارِ عمل محرمِ یزداں نہ رہا

کون اب ناقۂ اسلام کی تھامے گا مہار
رہبر و قافلہ سالار و حدی خواں نہ رہا

کون بتلائے گا اب دین کے اسرار و رموز
واقفِ شرعِ متیں حاملِ قرآں نہ رہا

کون فرمائے گا اب قوم کو تلقینِ جہاد
آہ وہ مردِ مجاہد وہ مسلماں نہ رہا

❁ ❁ ❁

تجھ سے تھی ہم کو طمانیتِ قلبی حاصل
تیرے ہوتے ہوئے فکرِ غمِ دوراں نہ رہا

تیرے جانے سے ہوا دل پہ بلاؤں کا ہجوم
تو گیا کیا کہ ہمارا کوئی پرساں نہ رہا

چشمِ خوں بارِ دلِ سوختہ لایا ہوں مگر
اب یہ ہدیہ بھی تو اس شان کے شایاں نہ رہا

بہرِ تاریخِ وفات آئی فلک سے آواز
آج وہ عارفِ حق مرشدِ ایماں نہ رہا

۱۳۸۱ھ

•

باغِ اربابِ کشف (۱۶۰۹) سے آخر —
بلبلِ قدس (۲۲۸) اُڑ گیا ہیہات = ۱۳۸۱

گلستانِ حدیث و قرآں (۱۴۳۴) سے —
آج احمد (۵۳) چلے گئے افسوس = ۱۳۸۱

وفاتِ مفسرِ قرآن احمد علیؒ (۱۳۸۱)		غفراللہ لہٗ (۱۳۸۱)		امیر انجمن خدام الدین بمرد (۱۳۸۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

جلد ۷ | ۹ر شوال المکرم سنہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ر مارچ سنہ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۴۶

محکمہ تعلیم و محکمہ جیلخانجات کا منظور شدہ

اس شمارہ میں

فون نمبر ۶۷۵۴۵

شرح چندہ

سالانہ :۔ گیارہ روپے ششماہی :۔ چھ روپے
سہ ماہی :۔ تین روپے فی پرچہ :۔ ۲۵ پیسے

نوٹ

خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
چٹ پر سرخ نشان آپ کے چندہ ختم ہونے کی نشانی ہے۔

اداریہ

حضرت شیخ التفسیر مخدوم العلماء مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ کی وفات

اور

علماء کرام کی تعزیت

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔ یہاں جو آیا اُسے یہاں سے جانا ہے اور جانے کے بعد وہاں کیا ہوتا ہے اور کیا ہوگا۔ یہ ایسا رازِ سربستہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اس پر سے پردہ نہ اٹھاتے تو کوئی انسان اپنی عقل سے یہ عقدہ حل نہ کر سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ یہاں سے جانے والوں کے احوال مختلف ہیں۔ کوئی خوش جاتا اور وہاں خوش رہتا ہے کوئی پریشان جاتا اور ہمیشہ کے لئے تباہ حال ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اس طرح کے جانے سے محفوظ رکھے۔ جس آدمی نے انسان کے مقصدِ حیات کو جانا اور منشاءِ تخلیقِ کائنات کو پا لیا پھر اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، اللہ تعالےٰ کے منشاء اور حکم کے مطابق اس کے رسولوں کی رہنمائی میں منازلِ زندگی طے کئے اس کا آنا بھی مبارک اور جانا بھی مبارک ہوتا ہے۔ وہ سعید روح ہوتی ہے۔ جس نے حیاتِ دنیا میں جمالِ ازلی کے عشق میں راتیں گذاریں۔ اور رضائے محبوبِ حقیقی کی جستجو میں عمر کے دن کاٹے وہ فائز المرام اور واصل مراد ہو گئی اور اعلیٰ علیین میں پہنچی۔

اور جو خبیث روح یہاں آکر حیوانی ڈھانچے میں بند ہو کر حیوان سے بدتر ہو گئی اور عمرِ مستعار ساری کی ساری حیوانی خواہشوں کے نذر کر دی وہ خائب و خاسر ہو کر اسفل السافلین میں جا پہنچی۔ اور دوامی لعنت کی شکار اور ابدی عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔

یہ اثرات تو پاک اور خبیث ارواح کے اعمال زندگی کے ذاتی احوال یا تاثرات ہیں۔ پاک نفوس خوش و خرم اور خبیث روحیں معذب اور پریشان ہوں گی۔ ایک کی زندگی ناکام دوسرے کی کامیاب ہو گئی یہ سلسلہ از آدم تا ایں دم چلا آ رہا ہے اس سے کسی کو چارہ نہیں ہے اور ہر شخص کو اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا ہے۔

مگر بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں کہ موت سے ان کی امتحانی زندگی کامیابی سے ختم ہو کر جمالِ ازلی کے دیدار میں مستغرق ہو جاتے اور غیر فانی ناقابلِ تصور عیش و مسرت میں جا پہنچتے ہیں۔ مگر ان کے اس جہان سے پردہ فرمانے اور اُس جہان میں منتقل ہو جانے سے مخلوقِ خدا ان کے فیضان سے محروم ہو کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگ جاتی ہے۔ ان کے ذریعہ جو لاکھوں بندگانِ خدا راہِ حق پر گامزن اور ہزاروں طالبانِ حق صہبائے عشق و محبت کے جرعات (گھونٹوں) سے سیرکام ہوا کرتے تھے۔ وہ اپنی محرومی پر سر پیٹ کے رہ جاتے ہیں۔

عالمِ اسباب میں ان کے وجودِ مبارک سے ظاہری اور باطنی فیوض و برکات کی نہروں سے مردہ دلوں کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوتیں اور ایمان کا بیج پھل پھول کر تن اور درخت بن جایا کرتا ہے جس کی

جڑیں زمین کے اندر اور شاخیں آسمان میں جا پہنچتی تھیں۔ ان کے انتقال سے فیض کے یہ دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی موت چاہے ان کے لئے حیات کامل کیوں نہ ہو مگر رہتی دنیا کے لئے وہ عالمگیر غم بن جاتی ہے۔

اس میں کس کو کلام ہے کہ رئیس المفسرین، سید العارفین، رأس العلماء سرتاج صوفیاء حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہٗ کی جدائی مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لئے سوہانِ روح ہے۔ ہر صحیح مسلمان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ خاص کر دو طبقوں پر اس کا بڑا اثر پڑا ہے ایک سالکانِ طریقت جو حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر تربیت تھے۔ دوسرے نظام العلماء مغربی پاکستان کے وابستگان کو جو حضرت اقدس قدس سرہٗ کی رہنمائی میں اسلامی اور ہر طرح کی تبلیغی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

نظام العلماء مغربی پاکستان آج اپنے بے نظیر، بلند پایہ، شفیق اور دلیر مربی اور رہنما سے محروم ہو گئی ہے۔ مگر ہم کو باوجود اس کے صبر و استقامت کا دامن پکڑے رہنا اور حضرت اقدس کے مشن اور مقصدِ زندگی کی کامیابی کے لئے مسلسل عمل اور پیہم جد و جہد کرنی ہو گی۔

علماء کرام! سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف سے زیادہ صدمہ اہل اسلام پر نہیں آ سکتا۔ جس کی وجہ سے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بے قابو ہو چلے تھے۔ مگر ان پاکیزہ نفوس نے اپنے ماں باپ سے پیارے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقاصد اور منشاء بعثت کی تکمیل میں جس صبر و استقامت کا ثبوت دے کر چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا دنیا اس پر انگشت بدنداں ہے۔ پھر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ

مدینہ منورہ سے

مکتوب گرامی

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ ۲۶ فروری ۱۹۶۲ء یوم الاثنین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد

بہ پیشگاہ علیا حضرت مخدومتہ المکرمہ والدہ ماجدہ صاحبہ مد ظلہا وبرادر عزیز مولوی عبید اللہ انور سلمہٗ وبرادر عزیز مولوی حمید اللہ سلمہٗ

جیلانی از المدینۃ المنورۃ

سلام مسنون۔

دفتر "خدام الدین" لاہور سے فرستادہ پرچہ موصول ہوا۔ اپنی ناقص استعداد کے مطابق صرف آدھا پڑھ سکا ہوں۔ آدھا نہیں سمجھ سکا۔ بہت تلاش کیا کہ کوئی انگریزی خوانندہ اگر مل جائے تو پورا پرچہ سمجھ سکوں۔ لیکن تادم تحریر نہیں ملا۔ جو سمجھ سکا ہوں اسکا مفہوم یہ ہے

کہ "حضرت مولانا احمد علی صاحب کی حرکت قلب بند ہونے سے وفات ہو گئی ہے"۔

انا للہ وانا الیہ راجعون[1]۔ اللھم اجرنی فی مصیبتی۔

العین[2] تدمع والقلب یحزن۔ وما نقول الا ما یرضی بہ ربنا۔

صدق[3] اللہ العلی العظیم۔ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر۔ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم۔ ما شاء اللہ کان۔

انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اپنے مقبول بندوں میں بنائے۔

اللہ نے اپنے مقبول بندوں کی یہ علامت ذکر فرمائی ہے

ولما رأ[4] المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے

ولنبلونکم[5] بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون۔

اللھم[6] اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما اعطیت

[1] بے شک ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی
[1] بے شک ہم تو اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ میری مصیبت میں میرا اجر عطا فرما۔
[2] آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے اور ہم صرف وہ بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔
[3] اللہ تعالیٰ سچا ہے وہ بلند وبڑا ہے۔ جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے۔ وہ اس سے پیشتر کہ ہم اسے پیدا کریں۔ کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو۔ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہو کر رہتا ہے میں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ ہی کے سامنے کرتا ہوں۔
[4] اور جب مومنوں نے فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا۔ اور اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہو گئی۔
[5] اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ تو

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہ
صاحبزادہ حضرت شیخ التفسیر رحمت اللہ علیہ

اللہ تبارک وتعالےٰ کا پہلے سے وعدہ ہے کہ اعزہ و اقارب کی وفات کی مصیبت کا صدمہ تم کو دنیا میں ضرور پہنچیگا - جو اس صدمہ پر صبر کریگا اللہ تعالےٰ کی خصوصی رحمتیں اور عمومی رحمتیں ان پر نازل ہونگی - اگر صبر کریگا تو اللہ تبارک وتعالےٰ سے اجر پائیگا - اگر بندہ عاجز صبر نہ کرے تو تقدیر الٰہی کے آگے انسان کر بھی کیا سکتا ہے؟ اگر صبر کرے تو انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب - بہت ہی بڑی مصیبت پیش آئی لیکن شریعت کی طرف سے بشارت بھی عظیم ہے -

ان عظم الجزاء مع عظم البلاء - جتنی بڑی مصیبت ہوگی اجر بھی اتنا ہی بڑا ملیگا - اللہ تبارک اپنے فضل سے ہم سب کو اجر عظیم عطا فرمائے فی الدنیا والآخرۃ - آمین۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ لاہور مسجد لائن سبحان خان میں گیا ہوں - نماز عصر کا وقت ہے - لوگ جمع ہو رہے ہیں - دن خوب سفید ہے - سورج اپنی پوری تابانی پر ہے کہ یکایک سورج کو گرہن لگا - اور سکنڈوں میں تمام عالم سیاہ و تاریک ہوگیا - اندھیرا گھپ اندھیرا - سورج غروب ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ دن کا نور کم ہوتا ہے - اور رات کی تاریکی چھاتی ہے - لیکن یہ تو یکایک عالم تاریک ہوگیا بعضہا فوق بعض - یک بارگی دنیا اندھیر ہوگئی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا - ایسی سخت تاریکی - مجھے خواب میں ہی سخت وحشت و گھبراہٹ ہوئی - نہایت ہی قلق و اضطراب میں میں اٹھا - خواب کی تعبیر اسی وقت میں نے یہ سمجھی کہ اشارہ ہے اعلیٰحضرت قبلہ اباجان کے وصال کی طرف - ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیٔ عندہ باجل مسمّی آخر میں پھر یہ عرض کرتا ہوں - انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ - ربنا انک تعلم ما نخفی وما نعلن - وما یخفی علی اللہ من شیٔ فی الارض ولا فی السماء -

ہمشیرہ صاحبہ کو سلام مسنون کے بعد خط بھی سنا دینا - اس مصیبت میں ہم سب برابر کے شریک ہیں -

سب کو سلام مسنون

والسلام مع الاکرام

کہتے ہیں - بے شک ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں - یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانے والے ہیں -

۶ اے اللہ جن کو تو نے ہدایت دی ہے ان میں شامل کرکے ہمیں بھی ہدایت دے - اور جن کو تُو نے عافیت دی ہے ان میں شامل کرکے ہمیں بھی عافیت عطا فرما - اور ہمارے کاموں کو بنا، ان لوگوں میں شامل کرکے جن کے کام تو نے بنائے - اور ہمیں برکت عطا فرما ان لوگوں میں شامل کرکے جن کو تُو نے برکت دی ہے -

۷ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا -

۸ اللہ کے لئے ہے جو اس نے لیا اور اس کے لئے جو اس نے دیا - اور ہر شے کی اس کے ہاں ایک مدّت معیّن ہے -

۹ میں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ کے سامنے کرتا ہوں - اے رب ہمارے بے شک تُو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں - اور اللہ پر کوئی شے مخفی نہیں - خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں -

---

عنہم کی جدائی پھر امت کا صحابہ کرام رضؓ سے محروم ہونا اور آخرکار خیر القرون کی مبارک ہستیوں کا رخصت ہو جانا کون سے کم حادثات اور صدمات ہیں - مگر اللہ تعالےٰ نے ان کے جانشینوں سے وہ کام لیا جس کی امت کو شدید ضرورت تھی - آخری زمانہ میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے خاندان کا ختم ہونا اور ان کے بعد حضرت گنگوہی نانوتویؒ تھانوی اور شیخ الہند سے امت مسلمہ کی محرومی وہ کمی تھی جو کسی طرح پوری نہ ہو سکتی تھی مگر علامہ انورشاہؒ حضرت مدنیؒ اور مولانا عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے بزرگوں کے مشن کو پروان چڑھایا - اس میں شک نہیں کہ حضرت امیر شریعت بخاریؒ اور حضرت شیخ التفسیر قطب زمان مولانا احمد علی صاحبؒ کی جدائی اہل اسلام اور خاص کر علماء کرام کے لئے معمولی صدمہ اور کمی نہیں - اس خلا کو پورا کرنا دشوار ہے مگر امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہے - بڑوں کے چلے جانے سے چھوٹے بڑے بنتے چلے آ رہے ہیں - ان حضرات کی صحبت و محبت کا حق یہ ہے کہ ہم صبر و استقامت کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلیں - اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کرکے ان کے مشن کو زندہ رکھیں - ابھی ہم میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی موجود ہیں، ابھی ہم حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کے وجود سے مستفید ہو سکتے ہیں - ابھی ہم حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری، حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی، حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی کو اپنے اندر موجود پاتے ہیں - ابھی حضرت اقدسؒ کے مایہ ناز اور قابل رشک فرزند ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں - ابھی حضرت مولانا سید میرک شاہ صاحب اندرابی اور استاد العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب اور

مجلسِ ذکر منعقدہ جمعرات یکم شوال المکرم ۱۳۸۱ھ مطابق ۸ مارچ ۱۹۶۲ء

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد عیدالفطر کے دن مجلسِ ذکر کے لئے پہلی جمعرات آئی۔ تو مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدسؒ کے ارشاد کے مطابق حضرتؒ کے صاحبزادہ مولانا حافظ حمیداللہ صاحب ذکر کے لئے تشریف لائے۔ عوام بھی گردا گرد حلقہ باندھے پُرنم آنکھوں سے ذکر میں مشغول ہو گئے۔ ذکر کے بعد مولانا حافظ حمیداللہ مدظلہٗ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔ (نائب مدیر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

استقامت

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہے۔ ہو چکے اُن سے پہلے بہت سے رسول۔ پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤگے اُلٹے پاؤں؟ اور جو کوئی پھر جائے گا اُلٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ تعالےٰ کا کچھ۔ اور ثواب دے گا اللہ تعالےٰ شکرگذاروں کو۔

(شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ)

غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکین نے حملہ کر دیا۔ اور آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخم کی شدّت کی وجہ سے زمین پر گر پڑے۔ کسی شیطان نے آواز لگا دی کہ آپ قتل کر دیئے گئے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہو گئے اور پاؤں اکھڑ گئے صحابہ کرام سخت پریشان ہو گئے تو اس وقت مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی "کہ جو کوئی بھی میدان جنگ سے پیٹھ پھیرلے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔"

اللہ تعالےٰ ہمارے والد صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی قبر مبارک کو نور سے بھر دے اور کروڑوں رحمتیں اُن کی قبر پر نازل فرمائے۔ (آمین)

اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ میرا تعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ اب وہ تو وفات پا گئے ہیں۔ اب کیا ہے۔ تو وہ شخص اپنا نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے جماعت کو چھوڑا وہ دوزخ میں جائے گا۔ کیونکہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہاتھ ہوتا ہے اور جو شخص جماعت سے نکل جاتا ہے وہ گویا اللہ تعالےٰ کی رحمت سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے ساتھ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہم دونوں بھائیوں کو اپنی ہمّت کے مطابق اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے آمین

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمعہ اور صبح کے درس کا انتظام بڑے بھائی مولانا عبیداللہ صاحب کے سپرد کر گئے تھے۔ اور مجلس ذکر میرے سپرد۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اپنے فرائض سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے

احقر نے مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، اباجان رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔

ہم اللہ تعالےٰ کی یاد کریں گے اور لوگوں کو اللہ کو یاد کرنے کا طریقہ سکھلائیں گے۔ جو آئیں گے وہ انشاء اللہ کامیابی حاصل کریں گے اور جو نہیں آئیں گے ہم ان کو بلانے نہیں جائیں گے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بزرگانِ دین کی وفات کے بعد اُن کے مریدوں کی حالت ابتر ہو جاتی ہے اس کی مثال اس طرح سمجھئے۔ کہ کنوئیں میں اگر خالی ڈول گر جائے تو اس کے نکالنے میں آسانی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ زیادہ گہرا نہیں جاتا پانی پر ہی تیرتا رہتا ہے۔ لیکن اگر بھرا ہوا ڈول کنوئیں میں گر پڑے تو وہ بہت نیچے چلا جاتا ہے۔

بزرگانِ دین کی جماعت کو شیطان بھٹکاتا ہے کہ اب تو وہ بزرگ رہے نہیں۔ اب وہاں جانے کا کیا فائدہ ہوگا۔ اور وہ کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ روشن چراغ گُل ہو جائے۔

ترمذی شریف جلد ثانی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شیطان بڑا ہوشیار اور سمجھدار ہے اس سے بچ کر رہو۔ شیطان مختلف طریقوں سے دھوکا دے گا۔ شیطان کے وار کو صرف اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ بندے ہی سمجھتے ہیں اور وہ شیطان کے وار سے بچ جاتے ہیں۔

شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے کہ کسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ دے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو خلوص ایک جماعت کے ساتھ رہنے سے پیدا ہوتا ہے وہ دوسری جماعت میں جانے سے حاصل نہیں ہوتا۔ تصوّف کا مسئلہ ہے کہ ایک ہی جماعت سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسری جماعت میں جانے

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

خطبہ یوم الجمعہ ۲ شوال المکرم ۱۳۸۱ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۶۲ء

یہ خطبۂ جمعہ بھی حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ ہے۔ جسے آپ نے وفات سے چند روز پہلے تحریر فرمایا تھا۔ چونکہ اس کا ابتدائی حصہ ہی ۹ مارچ کے جمعہ میں پڑھا جا سکا لہٰذا بقیہ حصہ آئندہ جمعہ کو پیش کیا جائیگا۔
(احقر عبید اللہ انور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

ظلم کے انجام بد سے بچو

اس پر قرآن مجید سے شواہد

پہلا شاہد

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط وَ لَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ لا اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا لا وَّ اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ط كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ط وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ۝

(سورۃ بقر رکوع ۴ پارہ ۲)

ترجمہ:- اور ایسے لوگ بھی ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں۔ جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں۔ جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہئے۔ اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اور کاش دیکھتے وہ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے۔ کہ سب قوّت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ جب وہ لوگ بیزار ہو جائیں گے جن کی پیروی کی گئی تھی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی تھی کاش ہمیں دوبارہ جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ انہیں ان کے اعمال حسرت دلانے کے لئے دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔

یہ کیا۔ کہ ان ظالموں نے اللہ تعالےٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی حاجت روا بنایا۔ اور یہی شرک ہے۔ جس طرح جاہل مسلمان بزرگوں کی قبروں پر جا کر منّت مان آتے ہیں کہ اے بزرگ! اگر تو مجھے ایک بیٹا دے دے تو میں تیری قبر پر ایک بکرا چڑھاوا چڑھاؤنگا۔ جب اللہ تعالےٰ اس آدمی کو بیٹا دیتا ہے تو یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالےٰ نے بیٹا دیا ہے۔ اس کا شکر کروں۔ بلکہ ایک بکرا خرید کرکے اس بزرگ کی قبر پر (مثلاً پانچ میل یا چھ میل) پر جاکر ذبح کراتا ہے۔ تاکہ اس بزرگ کے احسان کا شکریہ ہو جائے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے نام پر شکریہ کے طور پر بکرا ذبح کراتا تو اللہ تعالیٰ اس کے گاؤں میں بھی موجود تھا۔ اور یہ بزرگ وہاں گاؤں میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے بکرے کو گاؤں سے چلا کر اس بزرگ کے مزار پر لایا ہے۔ در اصل یہ حق اللہ تعالےٰ کا تھا کہ اس کا شکریہ ادا کرتا۔ کہ اس نے بیٹا دیا ہے اور بجائے اللہ تعالےٰ کے اس بزرگ وفات یافتہ کا ممنون احسان ہوا کہ اس نے دیا ہے۔ اور

یہی ظلم

اور بے انصافی ہے کہ بیٹے کی نعمت تو اللہ تعالےٰ نے دی اور اس نے اس مردہ بزرگ کا شکریہ ادا کیا جس کا اس نعمت کے عطا ہونے میں کوئی دخل ہی نہیں۔

بیٹا یا بیٹی

دینا فقط اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے نہ کسی وفات یافتہ بزرگ کے اختیار میں۔

اللہ تعالےٰ کا فرمان

ملاحظہ ہو:-

لِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ لا اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ج وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ط اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ۝

(پارہ ۲۵ ع ۷۔ سورہ شوریٰ)

ترجمہ:- آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالےٰ) ہی کی بادشاہی ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے لڑکے بخشتا

ہے۔ یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ خبردار قدرت والا ہے۔

اے مسلمان

گذشتہ آیتوں کا ترجمہ غور سے پڑھ۔ کیا بیٹا یا بیٹی دینا کسی اور کے اختیار میں ہے۔ پھر کیوں تو اللہ تعالےٰ کے کام دوسروں سے منسوب کرتا ہے۔ اور یہی شرک ہے۔ اس سے توبہ کر۔ وما علینا الا البلاغ۔

اے مسلمان

ہوش کر جو تمہیں کتاب وسنّت کا راستہ دکھائے اور مذکور الصدر گمراہی سے بچانا چاہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تعلیم دینے والے وہابی ہوں گے۔ جو بزرگوں کے قائل نہیں ہوتے اور بزرگوں کا ادب نہیں کرتے۔

کیا

بزرگوں کے ادب کے یہی معنی ہیں کہ انہیں شریک خدا بنایا جائے

وہابی کا لفظ

ایک ہوّا لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ ورنہ میں کہا کرتا ہوں۔ کہ ہمارے علماء جو فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ وہ سو میں سے سو فیصدی وہابیت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں کیونکہ ہمارے درس نظامی میں جو سارے ہندوستان میں پڑھایا جاتا ہے کوئی کتاب وہابیت کے موضوع پر نہیں پڑھائی جاتی۔ اس لئے کہا ہوں کہ وہابیت کے حالات اور کردار سے ان کے مولوی بھی جاہل اور ناآشنا ہوتے ہیں۔ میں نے خود بحمداللہ تعالےٰ سارا درس نظامی پڑھا ہے۔ اور یہ فقرہ سمجھ سے کہا کرتا ہوں کہ مولوی بھی فارغ ہونے کے بعد وہابیت سے ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں۔

اور

وہابی کا طعنہ

ہر جاہل اپنے مدّمقابل کو دے دیتا ہے اگرچہ وہ کتاب و سنّت کی ترجمانی کر رہا ہو۔ اور خواہ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا پکّا مقلّد ہو اور بعد از کتاب و سنّت حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا مقلّد ہو۔ کہ جو چیز کتاب و سنت میں بظاہر نظر نہ آئے وہ بجائے اس کے کہ اپنی رائے سے عمل کرے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی رائے پر عمل کرے۔ اس شرط پر کہ اگر بالفرض کتاب و سنت کے مخالف ہو گی تو چھوڑ دوں گا۔ اس مشروط اتباع میں کیا حرج ہے۔ لیکن باوجود مقلّد ہونے کے جاہلوں کی

رائے کے خلاف

کوئی بات کہہ دی جائے تو جھٹ اس کے حق میں وہابی کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان جاہلوں کے فتنوں سے بچائے اور کتاب و سنّت کے اتباع کے بعد بجائے اپنی رائے کے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔

میں خود الحمد للہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مقلد ہوں لیکن اس تقلید کو جزوِ ایمان نہیں سمجھتا۔ بلکہ امام مالک کے متبعین اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے متبعین اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے متبعین سب کو حق پر سمجھتا ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ۔

دوسرا شاہد

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ص وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

(پارہ ۲ ع ۱۳ ۔ سورہ بقر)

ترجمہ:۔ اور جب عورتوں کو طلاق دے دو۔ پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں۔ تو انہیں حسن سلوک سے روک لو یا انہیں دستور کے مطابق چھوڑ دو۔ اور انہیں تکلیف دینے کے لئے نہ روکو تاکہ تم سختی کرو۔ اور جو ایسا کرے گا تو وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ اور اللہ کی آیتوں کا تمسخر نہ اڑاؤ۔ اور اللہ کے احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری ہے کہ تمہیں اس سے نصیحت کرے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

عبرت

اوپر والے بیان الٰہی میں یہ اعلان ہے کہ انسانی حقوق العباد میں بھی انصاف کرنا چاہئے مثلاً عورت کو طلاق رجعی دے دی۔ جب اس کی عدّت گذرنے کو آئی ہے تو پھر اس نیّت سے رجوع نہ کر لینا کہ پھر اپنے نکاح میں لا کر پھر اسے طلاق دے دیں گے۔ پھر کچھ روز کے بعد دوسری طلاق دے دینگے تاکہ پھر عدّت میں بیٹھے۔ اور رجوع کرتے ہیں ارادہ اس عورت کو آرام دینے کا نہیں ہے بلکہ خراب کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں یہ ظلم بھی پسند نہیں ہے۔

یہی نشاں ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں اُن کی تقدیریں
وفا و حسن مروّت ہے زندگی اُن کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی اُن کی تقصیریں
(اقبالؒ)

مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند

دین اور دنیا

دین و دنیا دو حقیقتیں ہیں۔ تسلیم یہ کیا جاتا ہے کہ ان کا "تضاد" بھی ایک حقیقت ہے۔ عرب انہیں بول چال میں ان کو ضرّتان کہا کرتے تھے یعنی "دو سوتنیں"۔

لفظ ضرّہ کا مادہ ضرر ہے ضرر کے معنی "نقصان"۔ تصوّر یہ تھا کہ دین و دنیا میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کے لئے مُضر ہے۔

لیکن اسلام جس کو "دین" کہتا ہے اس کو نہ دنیا کے لئے مضر کہا جا سکتا ہے نہ دنیا کی "ضد" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے اگر معمار کا لفظ استعمال کیا جائے تو اسلامی تشریحات سے قریب تر ہو گا۔

یعنی اسلام جس کو دین قرار دیتا ہے یا وہ دین جس کی دوسری تعبیر اسلام ہے۔ اس سے دنیا کی تعمیر و ترقی تو ہو سکتی ہے دنیا کو نقصان نہیں پہنچ سکتا

اب آیئے اس اجمال کی کسی قدر تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

دین اور دنیا دونوں عربی لفظ ہیں۔ عربی لغت میں دین کے چند معنی بتائے گئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ اطاعت اور فرمانبرداری۔ کما فی قولہ تعالیٰ عزّ و جل۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ۔ و قال اللّٰہ تعالےٰ: لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ اے فی الطاعۃ مفردات غرائب القرآن ص۱۷۵

۲۔ کسی کو رام اور مطیع کر لینا کما فی الحدیث المشہور۔ اَلْكَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ (مختار الصحاح)

۳۔ ایک تیسرے معنی بیان کئے گئے ہیں یعنی جزاء اور پاداش۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ

شریعت وہ قانون ہے جس کی پابندی گویا اطاعت کی جاتی ہے۔ اس مناسبت سے شریعت کو بھی دین کہتے ہیں۔

دنیا

قواعد صرف (عربی گرامر) کے لحاظ سے اس کے ماخذ دو ہو سکتے ہیں دُنُوّ بمعنی قریب ہونا اور دُنَاءٌ و دَنَاءَۃٌ حقیر اور کمینہ ہونا۔

پس دنیا کے معنی ہیں زیادہ قریب اور دوسرے ماخذ کے لحاظ سے دنیا کے معنی ہیں زیادہ پست بہت کمینہ۔

کلام اللہ شریف میں تقریباً سوا سو آیتوں میں لفظ دنیا آیا ہے۔ لیکن جس خاص نقطہ کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ تقریباً ستّر مقامات پر لفظ دنیا "حیات" کی صفت بنا کر لایا گیا ہے۔ یعنی الحیوۃ الدنیا فرمایا گیا ہے۔ (یعنی ایسی زندگی جس پر دنیا کا اطلاق درست ہو)۔

مثلاً۔ مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا (سورہ جاثیہ) وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (سورہ رعد) اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ (سورہ حدید)

قرآن کریم کا اسلوب ایک عجیب و غریب نظریہ کی تلقین کر رہا ہے۔ جس کو ممکن ہے ہم پہلے سے جانتے ہوں۔ مگر اس کے احساس سے ہمارے ذہن عام طور پر خالی رہتے ہیں۔

"موت کے بعد ہی حیات ہے۔ موت زندگی کے تسلسل کو ختم نہیں کرتی"۔ یہ ہے وہ تصویر جس کی تلقین یہ ستّر آیتیں کرتی ہیں اور اس کی تائید کے لئے سینکڑوں آیتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

ایک غلط نظریہ اور اس کی تردید

قرآن حکیم اس نظریہ کی سختی سے تردید کرتا ہے کہ حیات انسانی کی ابتداء اور انتہا یہی چند روزہ زندگی ہے جو ولادت سے شروع ہو کر نزع روح پر ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم اس کو ایک نہایت سطحی اور مضحکہ انگیز نظریہ قرار دیتا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ

(سورہ جاثیہ ع ۳)

ترجمہ:۔ انھوں نے کہا نہیں ہے مگر یہی دنیاوی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہم کو مگر دہر (زمانہ) اس بارے میں ان کو کوئی علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔

یعنی کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ لوگ انسانی زندگی کو بھی کیڑوں مکوڑوں اور حشرات الارض جیسی زندگی قرار دیتے ہیں۔ کہ موسموں کے تغیّر، آب و ہوا کی تبدیلی اور شعاعوں کی تاثیر سے یہ وجود میں آئے اور یہی تاثیریں ان کو فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔ یہ ایک نہایت سطحی نظریہ ہے کوئی غور و فکر اور کوئی تحقیق اس کی پشت پر نہیں ہے۔

انسانی زندگی کی ابتداء و انتہا

قرآن حکیم نے ایک طرف "عہد الست" کا ذکر کر کے حیات انسانی کے کنارے دامن ازل سے جوڑے ہیں اور دوسری جانب نعیم جنّت اور عذاب جہنّم کو لازوال بتا

حیات انسانی کے دامن خلود اور ابدالاباد سے وابستہ کر دئے ہیں

پھر حیات انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک موجودہ حصّہ جس کی حدود میں ہم اس وقت سانس لے رہے ہیں اور عمل کی کھیتی بو رہے ہیں یہ "الحیات الدنیا" ہے۔

یعنی وہ زندگی جو حالات موجودہ سے قریب تر ہے (اور دوسرے ماخذ کے لحاظ سے) یعنی وہ زندگی جو نیست تر ہے۔ کیونکہ ایسے ماحول میں ہے جس کی ہر چیز فانی، جس کی ہر نمائش سراسر حجاب، جس کی ہر آرائش سراسر فریب، جس کی بیداری سراسر خواب اور جس کی عیش و مسرت سرتاسر سراب۔

دوسرا وہ حصّہ جو موت کے بعد شروع ہوتا ہے جس کو قرآن حکیم حقیقی زندگی قرار دیتا ہے۔ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ۔

(عنکبوت)

ترجمہ:- پچھلا گھر اسی کی زندگی ہے حقیقی زندگی۔

وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ

(مومن)

ترجمہ:- پچھلا گھر وہی ہے جاء قرار۔

زندگی کے مختلف دور

پس موت فنا محض نہیں ہے بلکہ جس طرح ہماری زندگی نے اب تک درجہ بدرجہ مختلف مرحلے طے کئے ہیں۔ کچھ پیدائش اور ولادت سے پہلے۔ کچھ ولادت کے بعد مثلاً عہد رضاعت۔ پھر عہد صبا یعنی دور طفولیت پھر وہ رنگین دور جس کو عہد شباب کہا جاتا ہے۔ پھر وہ زمانہ جس کا نام کہولت ہے۔ ان تمام دوروں اور مرحلوں کے طے کرنے کے بعد وہ دور آیا جہاں ہماری ترقی معکوس ہو گئی یعنی بڑھاپے کا دور۔ جب ہم قبر کے کنارے پر ہوتے ہیں بلکہ ہمارے پیر قبر میں ہوتے ہیں جب ہمارے قوٰے مضمحل اور ہمارے حواس معطل ہو چکتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:- وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝

(سورہ یٰسین)

یہ ذلیل ترین زندگی ہے جہاں علم کے بعد جہل آتا ہے۔ اور دانائی کے بعد نادانی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے بوڑھا بچہ برابر۔

وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا۔

ترجمہ:- کچھ تم میں سے ذلیل ترین عمر کی طرف لوٹا دئے جاتے ہیں۔ (نتیجہ یہ ہوتا ہے) کہ علم اور دانائی کے بعد علم سے خالی ہو جاتے ہیں (سورہ حج)

مختلف ادوار کی خصوصیات

جس طرح بڑھاپے کے دور کی یہ خصوصیتیں ہیں جن کا تذکرہ بھی سامان تفریح ہوتا ہے۔ ایسے ہی بچپن، بلوغ، جوانی اور عہد کہولیت یعنی ادھیڑ عمر کی خصوصیات ایک دوسرے سے اتنی ممتاز کہ معلوم ہوتا ہے جو انسان پہلے تھا اب اس کی حقیقت بدل چکی۔ اور یہ نیا انسان وجود میں آیا ہے۔ ان مختلف دوروں میں جسم، اعضاء، وزن، جسمانی طاقت، ذہن، دماغ، فکر، علم، تجربہ۔ غرض ہر لحاظ سے غیر معمولی تبدیلی نمایاں ہوتی ہے ایسی تبدیلی کہ اگر ہم اس کا مشاہدہ نہ کرتے رہتے تو یقین کرنا مشکل تھا کہ وہی بچہ جو کل خود سے بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج جولانگاہ زندگی میں بے محابا جست لگا رہا ہے۔

جس کو اشاروں سے بھی دل کی بات بتانی مشکل تھی آج اپنی جادو بیانی سے دنیا کو مسحور کر رہا ہے۔

غرض جس طرح حیات انسانی کے مختلف دور اور ان کے تغیرات ہماری نظروں کے سامنے رات دن آتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی ایک تغیر وہ ہے جس کو ہم "موت" کہتے ہیں۔

موت فناء محض نہیں بلکہ قالب کی تبدیلی ہے۔ یہی ایک فرد مثلاً زید ہے جس نے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف کوچ کیا ہے اس کو ہم موت بھی کہتے ہیں اور اس تبدیلی کی تعبیر کے لئے رحلت انتقال اور وفات کے الفاظ بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔

رحلت کے معنی کوچ، انتقال تبدیلی۔ اور چونکہ زندگی کا ایک حصّہ پورا ہو چکا ہے اس لئے اس کو وفات بولا جاتا ہے۔

ارباب معرفت اپنے معبود حقیقی اور خالق کائنات سے طبیعت کا رشتہ جوڑا کرتے ہیں۔ وہ موت کو پل قرار دیتے ہیں۔ جس سے گذر کر ایک محب اپنے محبوب سے ہم کنار ہوتا ہے۔ یہ حضرات فرمایا کرتے تھے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

اسی لئے یہ حضرات موت کو وصال سے تعبیر کرتے ہیں۔

تغیرات حیات کی باہمی حیثیت

سلسلہ حیات کی یہ تمام کڑیاں جو بچپن سے شروع ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے اس طرح جڑی ہوئی ہیں کہ ہر ایک پچھلا دور آنے والے دور کی خوبی یا خرابی کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے دور طفولیت عہد شباب کے لئے بنیاد ہے اور عہد شباب دور کہولت اور زمانہ پیری کے لئے ہے اور جب کہ موت بھی اسی قسم کا ایک تغیر ہے تو منطقی نتیجہ یہ ہے کہ حیات دنیا مابعد الموت کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھے گی اسی بنا پر اس زندگی کو "مزرعۃ الآخرہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی بعد کی آنے والی زندگی کے لئے کشت زار۔

اس تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع فرمائیے یعنی حیات انسانی کے اس تسلسل میں دین کا مقام کیا ہے۔

دین آپ سے حقیقت شناسی

کا مطالبہ کرتا ہے۔ بس ایک دیندار کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت پہچانے۔ یعنی اس بات کا یقین و اذعان پیدا کرے کہ یہ زندگی جس کا نام دنیا ہے حیات مسلسل کا ایک تمہیدی حصّہ ہے۔ یہ ایک کشت زار ہے جس کا پھل بعد میں نمودار ہوگا۔

الحیات الدنیا کی تعمیر

اگر یہ اذعان و یقین پیدا ہو گیا تو لامحالہ آپ اپنی شخصیت کی تعمیر اسی طرح کریں گے کہ یہ موجودہ زندگی، یہ "حیاتِ دنیا" حیات جاوداں یعنی حیات بعد الموت اور حیات ماوراء مادہ کے لئے اچھی تمہید اور بہتر بنیاد ثابت ہو۔ جس پر ابدی کامرانی اور لازوال شادکامی کی مستحکم عمارت قائم ہو سکے۔ تاکہ سلسلۂ حیات جہاں تک بھی دراز ہو وہ ہمکنار مسرت و خوش گوار ہی رہے۔

قرآن حکیم نے حیات دنیا کو متاع قرار دیا ہے۔ یعنی ایک سرمایہ۔ ایک پونجی۔ ایک راس المال

آل فرعون نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۔ (سورہ مومن)

ترجمہ: اے لوگو یہ دنیاوی زندگی تو ایک متاع ہے۔

الحیات الدنیا کی افادیت

قرآن حکیم کا یہ فیصلہ ہر ایک سمجھدار انسان کا عقیدہ بن چکا ہے ظاہر ہے سرمایہ کی خوبی اور خرابی اس کی منفعت پر منحصر ہے۔ کسی بھی سرمایہ کی منفعت جس قدر زیادہ ہمہ گیر اور پائدار ہوگی اتنی ہی اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی۔

ایسا سکہ جو ملک کے کسی خاص رقبہ میں چل سکتا ہے اس سے باہر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہ سکہ بہت بھی ہو تب بھی کم ہے کیونکہ اس کی افادیت محدود ہے۔

ہاں وہ سکہ جو ہنڈی یا ڈرافٹ یا وہ اسٹرلنگ جو دنیا کے ہر ایک بنک میں چل سکتا ہو اور کسی خاص مدت تک بلکہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی اس کی قیمت میں فرق نہ آئے بلکہ جیسے جیسے وقت گذرے اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا رہے۔ ظاہر ہے یہ سرمایہ بہت قیمتی سرمایہ ہے اور یہ دولت دولتِ لازوال ہے۔ بس ایسے تمام ذرائع جو سرمایہ حیات کی نفع بخشی کو بیش بہا، گراں قدر اور لازوال بنائیں اس کی افادیت کو تمام حدود سے بالا کر دیں۔ کیا ہمیں حق نہیں کہ ان کو تعمیر حیات کا معمار اور نگارستان زندگی کا سب سے بہتر مصوّر قرار دیں۔

اسلام جس حقیقت کو "دین" سے تعبیر کرتا ہے وہ انہیں ذرائع کا نام ہے جو متاع حیات کی قدر و قیمت میں غیر محدود اور غیر فانی اضافہ کر دیتے ہیں۔

بے شک قرآن حکیم نے حیات دنیا کو متاع غرور بھی فرمایا ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران و حدید) یعنی دھوکے اور فریب خوردگی کا سامان۔

یہ بھی فرمایا ہے۔ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ (عنکبوت) وجہ یہ ہے کہ اگر ہماری نظر اسی حصّہ زندگی تک محدود رہتی ہے اور عیش و عشرت اور لعب و لہو کو ہم مقصود زندگی قرار دے لیتے ہیں تو آج ہمارے پاس خواہ کتنے ہی دولت کے انبار ہوں مگر مطاع زندگی کا سکہ کھوٹا ہے کسی دیوالیہ اسٹیٹ کی طرح ہماری زندگی کا یہ سکہ جب مادی سٹیٹ سے نکل کر ایسی مملکت میں پہنچیگا جو ماوراء مادہ ابدی اور لازوال ہے تو قطعاً بے کار ہوگا اور بار آور ہونے کے بجائے ہمارے لئے بارِ گراں ہوگا اور اگر اس مملکت میں اس کا رکھنا جرم ہوگا تو ہمارا یہ سکہ ہمارے لئے وبال اور عذاب جان بن جائے گا۔

دین اور دنیا کے وسیع معنی

اب تک ہم نے دنیا میں ایک خاص معنی لئے یعنی "فرد یا نوع انسان کی موجودہ زندگی"۔ لیکن ظاہر ہے لفظ دنیا اس سے وسیع معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے دنیا اس عالم مادی کو بھی کہتے ہیں جس میں حیات انسانی صرف ایک جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی طرح دین اس عام اور وسیع مفہوم کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس کو ہم اپنی بول چال میں "دھرم" کہا کرتے ہیں۔ اسی بناء پر کلام الٰہی نے یہ وضاحت ضروری سمجھی کہ ہر ایک دین کو بارگاہِ رب العالمین، مالک یوم الدین میں درجۂ اعتماد و اسناد حاصل نہیں ہے بلکہ اس بارگاہ میں مستند وہ دین ہے جس کا دوسرا نام اسلام ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دنیا اور دین کے اس عام مفہوم کے کے لحاظ سے دین کا مقام کیا ہے کیا عام مفہوم کے لحاظ سے بھی یہ کہنا درست ہے کہ دین دنیا کا معمار ہے۔ اور اس کی تعمیر کبھی بامعنی اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ دین کے زیر سایہ دامن دین سے وابستہ اور دین کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق نہ بنائی گئی ہو۔

وسیع معنی کے لحاظ سے دین کا مقام

یہ دنیا جو خوشنما پارکوں، عظیم الشان بلڈنگوں، پُر رونق بازاروں، شاداب سیرگاہوں، دلکش مناظر، جگمگاتے ہوئے قمقموں، لہراتے ہوئے آبشاروں اور فواروں سے آراستہ ہے۔ جس میں کہیں انجینرنگ کے کمالات کا مظاہرہ ہے۔ کہیں سائنس کے کرشمے جلوہ آرا ہیں کہیں حیرت انگیز دستکاری اس کا جوبن نکھار رہی ہے۔ اور کہیں ترقی پذیر شہریت اس کی زلفیں سنوار رہی ہے۔

یہ دنیا معدنی تحقیق و تفتیش اور کیمیاوی ریسرچ کے ذریعہ جس

سے چھپے ہوئے خزانے نکالے جا رہے ہیں۔ فلسفہ جدید کی نکتہ سنجیوں سے ان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے رازہائے سربستہ معلوم کئے جا رہے ہیں۔

یہ دنیا جہاں سائنسی تجربات کے ذریعے کارکردگی کی قوتیں بڑھائی جا رہی ہیں۔ مغرب کی تنابیں شرق سے سطح سمندر کے پیوند فرش زمین سے جوڑے جا رہے ہیں۔ زمین کو ہمدوش آسمان اور فضائے آسمانی کو سیر و سیاحت کی آماجگاہ بنایا جا رہا ہے۔ جوہری قوتوں سے زمین کو چاند اور چاند کو زیرنگیں۔ اور نہ صرف زیرنگیں بلکہ قدموں کے نیچے لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

کیا اس دنیا کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ دین اس کا معمار ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی تعمیر حقیقی تعمیر نہیں بلکہ اس کی تمام تعمیر و ترقی تاراج ہو جائے گی اگر دین کی سیکورٹی نہ حاصل کی گئی اور دامن دین نہ سنبھالا گیا۔

بے شک یہ عجیب و غریب سوال ہے اور اس کا جواب اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ لیکن انہی تمام تعجب خیزیوں کے ساتھ یہ سوال نیا نہیں۔

ترقی نئی چیز نہیں صرف نوعیت نئی ہے

وجہ یہ ہے کہ ہر وہ ترقیات جن سے ہمارے ذہن مرعوب اور نگاہیں چکاچوند ہیں ان کی قسم اور نوعیت بے شک نئی ہے۔ اور جہاں تک تاریخ ہمارے لئے معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ ان کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ لیکن بایں ہمہ دنیا کا ترقی کرنا نئی بات نہیں۔ ترقیات کی محض نوعیت اور قسم بدلتی رہی ہے۔ لیکن دامن دنیا جنسی ترقیات سے خالی کبھی نہیں ہوا۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت رواں۔ جس پر صبح و شام کئی کئی سو میل پرواز کر لیا کرتے تھے۔ کوئی ہوائی جہاز تھا یا پرندوں کی بولیاں (منطق الطیر) سمجھ سکنا کسی سائنسی قوت کا نتیجہ تھا۔ یا مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر نے تخت بلقیس کو سینکڑوں کی مسافت سے طرفۃ العین (پلک کے جھپکنے میں) قصر بلقیس سے قصر سلیمان میں پہنچا دیا تو یہ کسی ریڈیائی قوت کا کرشمہ تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ خصوصیات قرآن کریم کی تصریح کے بموجب معجزانہ خصوصیات ہیں۔ آپ کے وزیر نے "عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ" کی بناء پر یہ خدمت انجام دی۔ پس مادی ترقیات کے سلسلہ میں ان کا شمار صحیح نہیں ہے۔

سدِّ سکندری

اسی طرح ذوالقرنین کے وہ ذرائع جن سے چند دنوں کی مدت میں بھاکرا بند سے بھی طویل و عریض دیوار لوہے کی سِلوں اور تانبے کے جوڑوں سے تیار کر دی۔ قرآن حکیم نے اگرچہ اس کی تصدیق کی ہے مگر جہاں سے ہماری تاریخ کا علم شروع ہوتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہے اس لئے ممکن ہے ہماری حجت طلب عقلیں اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔

اہرام مصر وغیرہ

مگر مصر کے اہرام اور خود جنوبی ہند کے اورا اور اجنٹا کے غار ہمارے سامنے ہیں۔ فراعنہ مصر کی ہزاروں سال پیشتر کی لاشیں بھی اب صحیح سالم برآمد ہونے لگی ہیں۔ اس طرح آثار قدیمہ کی کنج و کاد سینکڑوں ہزاروں سال پیشتر کے عجائبات ہمارے سامنے رکھ کر اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ بیسویں صدی عیسوی سے ہزاروں برس پہلے بھی ترقی کے وہ تماشے دیکھے جا چکے ہیں جن کے نمونے آج کی سائنسی دنیا میں بھی ہمیں محو حیرت کر دیتے ہیں۔

بس جس طرح دنیا نئی نہیں دنیا کا ترقی کرنا نئی بات نہیں۔ یہ سوال بھی نیا نہیں کہ کیا اسی ترقی پذیر دنیا کی تعمیر میں دین کا دخل یہاں تک ہے کہ دین کو دنیا کا معمار کہا جا سکے۔ اور دین کے بغیر تعمیر و ترقی دنیا بے مغز اور بےحقیقت رہ جائے۔

میں یہ عرض کروں گا کہ تعمیر و ترقی دنیا بے معنے اور بے مغز ہے اگر دین نہ ہو۔ حقیقی معمار دین ہی ہے۔

تعمیر و ترقی کا اصل مقصود

آپ غور فرمایئے۔ مقصود ترقی کیا ہے۔ لوہے کی سلاخوں اور پتھروں کی چٹانوں کو خوبصورت بنا دینا مناظر دنیا میں حیرت انگیزیاں پیدا کر دینا مقصود ترقی اگر یہی ہے تو انسان کو ماتم کرنا چاہئے کہ اس کی وہ رات و دن کد و کاوش و دماغ سوزی اور جگر سوزی رائیگاں ہے وہ سب کچھ کرتا ہے۔ مگر اپنی نوع کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر کوئی چٹان نقش و نگار سے آراستہ ہوگی۔ کوئی عمارت بہت اونچی ہوگی تو اس سے خود انسان کو کیا ملا۔ اس سے درجۂ انسانیت کتنا بلند ہوا۔ تعمیر و ترقی کا سب سے اہم مقصد جو اقرار کے بنیادی نظریات ہیں۔ یہی مسلمات کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور حکومتوں کے دستور اساسی میں بھی اس کو نصب العین کی حیثیت دی جاتی ہے۔ وہ ہے سکون، اطمینان، امن اور سلامتی۔

پہاڑوں کی گھاٹیوں اور گھنے جنگل کے جھرمٹ کو ہم ویرانہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں اطمینان نہیں ہوتا۔ خوف و خطرہ اور وحشت دامن گیر رہتی ہے۔ پس اگر اونچی بلڈنگوں، عالی شان محلات، پُرفضا باغات اور سیرگاہوں میں ہمیں اطمینان میسر نہیں تو کیا ضروری ہے کہ ہم اس کو تعمیر عالم قرار دیں۔

دنیا کی وہ تمام ترقیات جو اپنے دور ختم کر کے تاریخ ماضی کا بوسیدہ پیوند بن چکی ہیں۔ اور وہ تمام ترقیات جو اپنی رنگین صورتوں اور درخشاں چہروں کے ساتھ ہمارے سامنے ہیں سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے نوع انسان کو نعمت اطمینان و سکون اور دولت آسودگی سے ہمکنار کیا یا جیسے جیسے ترقیات کا لشکر قدم آگے بڑھا رہا ہے۔ نوع انسان پر پریشانیوں کا تسلط ہو رہا ہے۔ خوف و ہراس کے دیو اور بھوت بھیانک صورتوں کے ساتھ سامنے آ رہے ہیں۔ اور اطمینان و آسودگی کی بچی کھچی پونجی کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا رہے ہیں۔

موجودہ دنیا اور حقیقی خوف

بے شک کچھ خوف مصنوعی ہوتے ہیں۔ جو غلط تربیت کے باعث یا دماغ کی کمزوری یا واہمہ کی خرابی کے سبب سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا حقیقی سبب کچھ نہیں ہوتا لیکن جو خوف عدم تحفظ کی بناء پر پیدا ہو۔ وہ حقیقی خوف ہے۔ اس کی بناء پر پریشانی اور سراسیمگی حق بجانب ہے۔ مثلاً خونخوار شیر سامنے ہو تو ایک نہتے اور کمزور انسان کا ڈرنا درست ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اس کا خوف نہ کیا جانا حماقت ہے۔ اگر وہ خائف ہو کر اپنی حفاظت کی جان توڑ کوشش نہیں کرے گا تو جان سے جاتا رہے گا۔

کیا یہ ایک حقیقت اور واقعہ نہیں ہے کہ آج جیسے ہی ترقی کی کوئی قسط سامنے آتی ہے۔ عالم انسانیت مسرت سے پہلے وحشت زدہ ہو جاتی ہے۔ اس کی نظر ترقی پر بعد میں جاتی ہے۔ توازن کا سوال اس کے سامنے پہلے آتا ہے اور جیسے ہی توازن میں فرق محسوس کیا جاتا ہے۔ عدم تحفظ کا احساس خوف و ہراس اور دہشت کی انگڑائیاں لینی شروع کر دیتا ہے عالم انسانیت یا بین الاقوامی دنیا توازن اور عدم توازن کے چکر میں ہے۔ جس سے زندگی کے تمام شعبے متاثر ہو رہے ہیں اور عالم انسانیت کی ہر چھوٹی بڑی شاخ پژمردہ اور افسردہ ہو رہی ہے۔

کہیں سیاسی عدم تحفظ کا خوف ہے، کہیں اقتصادی عدم توازن پریشان کئے ہوئے ہے۔ کمزور طاقتور سے خائف ہے اور طاقتور کو اس کا خوف ہے کہ کمزوروں کا گٹھ جوڑ ان کی توانائیوں کو ختم نہ کر ڈالے

جب سربراہوں کی یہ حالت ہو تو ان کے پیچھے چلنے والے اطمینان سے کب ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ دار کو مزدوروں کا خوف ہے اور مزدور تاجروں کی چوربازاری سے پریشان۔ بے روزگاروں کا ہجوم سرکاری حلقوں کو گھیرے ہوئے ہے اور کاروباری دنیا ٹیکسوں کی بھرمار سے بدحال۔

غرض جس طرح موجودہ ترقیات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت سے بھی انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ آج دنیا پر خوف، دہشت، بے اطمینانی اور بے اعتمادی کی حکومت ہے۔ جس طرح بچے اندھیرے سے ڈرتے ہیں۔ عورتیں تنہائی سے خوف زدہ ہوتی ہیں اسی طرح آج ہم حال اور مستقبل دونوں سے خائف ہیں اور کیا یہ درست نہ ہوگا۔ اگر ترقیات کو خطاب کرتے ہوئے کہا جائے:۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

بس سوچنے کا مقام ہے کہ جب اس تعمیر و ترقی کے ساتھ دلوں کی خلش نہیں مٹتی۔ اور جیسے جیسے آفتاب ترقی کی کرنیں پھیل رہی ہیں، دلوں کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو رہا ہے نوع انسانی کی بے چینی بڑھ رہی ہے، بے اعتمادی بے اطمینانی اور بغض و عناد کی زہریلی گیس دماغوں کو معطل اور اعصاب کو مفلوج کر رہی ہے۔ اور آتشیں جنگ نہ سہی سرد جنگ کی فضا کثیف سے کثیف تر ہوتی جا رہی ہے۔ تو کیا ہم ان ترقیات کو دنیا کی ترقی قرار دیں یا تعمیر دنیا کے لئے کوئی دوسرا معمار تلاش کریں۔

محترم دوستو اور بزرگو!

اگر آپ حاضر پر غائب کو، حال پر ماضی کو قیاس کرنے کی اجازت دیں تو یہ بھی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح ترقیات دنیا کے لئے نئی چیز نہیں ترقیات کی محض نوع اور قسم نئی ہے۔

اسی طرح مادی ترقی کے ساتھ پریشانی کا اضافہ بھی کوئی نیا مرض نہیں۔ پیراہن ترقی ہمیشہ ہی پریشانیوں اور سراسیمگیوں سے چاک گریباں ہے مادی تمدن و تہذیب کے دامن پر یہ دھبے نئے نہیں ہیں۔ ہاں ترقیات کی طرح خوف و ہراس کی نوعیت بدلتی رہی ہے۔

ارباب بصیرت کا طرز عمل

ماضی بعید کی داستان کہنہ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ اہل فہم اور ارباب بصیرت کی ایک جماعت ہمیشہ رہی ہے جس نے اپنے زمانہ کی ترقیات کا جائزہ لیتے ہوئے جب محسوس کیا کہ ترقیات کی اس چکاچوند میں طمانیت روح اور تسکین انسانیت کا کوئی سامان نہیں ہے تو انہوں نے ان ترقیات سے منہ موڑا، تمدن کو الوداع کہا شہروں اور آبادیوں سے رخصت ہوئے۔ دریا کے کنارے، پہاڑ کی چوٹی یا گھنے جنگل کے کسی درخت کو اپنا مسکن بنایا اور کاروان حیات کے خیمے وہیں گاڑ دیئے۔

اصحاب کہف کا قصہ آپ نے سنا ہوگا۔ قرآن حکیم نے اپنے معجزانہ انداز میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ دنیا کی کج روی اور ترقیات کی شورہ پشتی سے گھبرا کر انہوں نے طے کیا تھا۔ فَأْوٗا اِلَى الْكَهْفِ

حضرت مولانا مفتی مولوی جمیل احمد صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکو گے

ابھی سپیدۂ سحر بھی نمودار نہ ہوا تھا کہ میرا ایک رفیق ہانپتا ہوا اور سسکیاں بھرتا ہوا نہایت افسردگی کے عالم میں میرے کمرے میں داخل ہوا۔ مارے غم کے اس کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی اس نے ایک چیخ ماری اور کہا۔ مولانا! آپ کو پتہ ہے کہ "آج ہم یتیم ہو گئے" ان کے منہ سے یہ جملہ سن کر میں ہکا بکا سا رہ گیا۔ اور دریافت کیا کہ بھائی کیا ہوا؟ تو اس نے روتے ہوئے جواب دیا۔ کہ مولانا احمد علیؒ صاحب انتقال فرما گئے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میری بھی چیخ نکل گئی اور غالب کا یہ مصرعہ زبان پر جاری ہو گیا۔ ؏

"اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے"

اور میں ایسا خود رفتہ سا ہو گیا۔ کہ دوبارہ کمرے میں داخل نہ ہوا بلکہ ان کے ہمراہ اُسی وقت آہ و بکا کرتا ہوا شیرانوالہ دروازہ کو چلتا بنا۔ مجھے حضرتؒ کی بے وقت موت کا یقین نہ آتا تھا دل میں یہ کہتا جاتا تھا کہ "یا خدا یہ جھوٹ ہو" مگر اس امر کا یقین مجھے اس وقت آیا جبکہ میں نے حضرت کو چارپائی پر لیٹے ہوئے اور ابدی نیند سوتے ہوئے دیکھ لیا۔ اب مجھ میں اُٹھنے کی تاب نہ رہی تھی۔

ایک ایسے مردِ مومن کا دنیا سے رخصت ہو جانا کوئی کم صدمہ ہے کہ جس کی تمام زندگی قرآن اور حدیث کی درس و تدریس میں بسر ہوئی ہو۔ جس نے ہزاروں انسانوں کو قرآن و حدیث کی بیش بہا اور لازوال دولت سے نوازا ہو۔ جس کے جسد میں حرکت کرنے والی زبان اس طویل عرصہ میں قَالَ اللہ وَ قَالَ الرَّسُوْل کی مبارک تشریحات سے تر رہی ہو جس کی ذات گرامی معرفت و طریقت کی مکمل درسگاہ ہو۔ جس کی محفل علم و عرفان میں ملائکۃ اللہ بصد فخر و ناز شرکت کرتے ہوں۔ جس کو ابھی ابھی قلم مدظلہ العالی اور دامت برکاتہم کی دعائیں دیتا تھا آج اشکبار آنکھیں اسے تودۂ خاک کے نیچے دیکھتی ہیں اور لکھنے والا قلم نوّراللہ مرقدہٗ اور قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ماتمی نوحے تیار کر رہا ہے۔

کلیجے پر پتھر رکھ کر مسجد میں پہنچا۔ جہاں حضرتؒ قریباً نصف صدی درسِ حدیث اور درسِ قرآن دیتے رہے۔ ہزاروں بندگانِ خدا جمع تھے کوئی آہیں بھر رہا تھا تو کوئی سسکیاں لے رہا تھا۔ غرض آج یہ مسجد ماتم سرا بنی ہوئی تھی۔ وہاں پر وُہ طلباء بھی موجود تھے۔ جو حضرتؒ سے دورۂ تفسیر پڑھنے آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے یہ اشعار نکلے ؎

سیراب ہو رہے تھے ابھی تشنگانِ علم
محفل سے اُٹھ کے ساقیِ عرفاں چلا گیا
ٹھوکر سے جس کی قصرِ فرنگی دو نیم تھا
وہ غازی و مجاہدِ دوراں چلا گیا
نازاں تھے جس کی ذات پہ زُہد و اتقاء
جانِ سخا و صاحبِ ایماں چلا گیا

ان اشعار کا زبان سے نکلنا تھا کہ جہاں کھڑا تھا وہیں کا ہو رہا۔ جب طبیعت نے کچھ سنبھالا لیا تو معلوم ہوا کہ اب حضرتؒ کا جنازہ اٹھایا جانے لگا ہے۔ اور یونیورسٹی گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ ادا ہوگی۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ لاکھوکھہا آدمی جمع ہیں ہر طرف سے درد بھرے نالوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور ؎

گلستاں میں عجب افسردگی معلوم ہوتی ہے
پریشاں گل ہیں رنجیدہ کلی معلوم ہوتی ہے
کسی کی موت کی شاید غمی معلوم ہوتی ہے
جو نرگس آج یہ روتی ہوئی معلوم ہوتی ہے
تمہاری موت سے احمد علیؒ دنیا کو صدمہ ہے
جہاں میں آج اک بھاری کمی معلوم ہوتی ہے

نمازِ جنازہ کے بعد جب حضرتؒ کا جنازہ اٹھا لیا گیا تو یونیورسٹی گراونڈ کا ذرّہ ذرّہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا ؎

کون اس باغ سے اے بادِ صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کا اُڑا جاتا ہے

غرض وہ مجاہدِ اعظم، ہدایت کا مینار، عزم و ہمّت کا سنگِ میل، گمراہی کی گھٹاؤں میں بدرِ منیر، اہلِ حق پر رحمت کا سایہ، حسن و تقویٰ اور طہارت کا مجسمہ آج منوں مٹی کے نیچے تھا۔

ان کی موت سے شریعت و طریقت اور علم و عرفان کی بزم سُونی ہو گئی، سلوک و تصوّف کی خانقاہ اُجڑ گئی اور عزم و استقلال کے بلند مینارے زمین کے برابر ہو گئے ؎

ہم نشیں مت پوچھ کیوں آنکھوں سے آنسو ہیں رواں
آہ! کس ہستی کے غم میں قلب ہے ماتم کناں
وہ چراغِ علم و دانش وہ امیرِ کارواں!
وہ متاعِ قوم و ملّت نازشِ بزمِ جہاں
وہ سراپا مہر و الفت پُرخلوص و غمگسار!
پیکرِ صبر و تحمّل رہنمائے ذی وقار
وہ مدرّس، تھی مکمل درس جس کی زندگی
وہ معلم جس نے کی تاریکیوں میں روشنی
آہ وہ پیرِ طریقت عالمِ روشن ضمیر
زینتِ بزمِ تصوف عاشقِ ربِّ قدیر
رہبرِ ملّت چراغِ راہِ عرفاں اُٹھ گیا
گلشنِ ہستی سے تسکینِ دل و جاں اُٹھ گیا
جاں نثارِ ملک و ملّت، قوم پرور اُٹھ گیا
اُٹھ گیا ہائے سکونِ قلبِ مضطر اُٹھ گیا
لُوٹ لی دستِ قضا نے زینتِ بزمِ خوشی
دم بخود ہیں اہلِ محفل، شمعِ محفل بجھ گئی

یَنۡشُرۡ لَكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ۝ (سورہ کہف)

ترجمہ :- تو پھر غار میں چل کر پناہ لو - وہیں ہمارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ ہم پر پھیلائے گا اور ہمارے اس معاملہ کے لئے سرو سامان مہیا کرے گا۔

جس طرح اصحاب کہف نے شہر کے بجائے پہاڑ کے غار کو اپنی دنیا بنایا۔ اسی طرح خدا جانے کتنے بندگان خدا گذرے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں انہیں ترقیات افراتفری اور شورا شوری سے پریشان ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں کی راہ لی اور وہیں اپنی دنیا آباد کر لی۔

ارباب بصیرت کا یہی طرز عمل جس نے اس نظریہ کو جنم دیا کہ دنیا ضرّۂ دین ہے اور دین دشمن دنیا -

بقیہ مجلس ذکر صلا سے آگے

سے نئے سرے سے کام شروع کرنا پڑتا ہے - اللہ تعالےٰ حضرتؒ کی جماعت کو استقامت عطا فرمائے۔

اگر مرشد کی وفات کے بعد اپنے پیر بھائیوں میں بیٹھ کر اللہ تعالےٰ کی عبادت اُسی طرح کرتے رہیں تو روحانی ترقی ہوتی رہے گی ورنہ پہلی حالت بھی جاتی رہتی ہے - اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں :- وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ۝

ترجمہ :- اور عبادت کر اپنے رب کی حتیٰ کہ تم کو موت آ جائے۔

بعض دفعہ اللہ تعالےٰ گناہ کی وجہ سے بندہ کو اپنی یاد سے ہٹا دیتا ہے - انسان گناہ کرتا ہے تو خدا کی یاد کرنے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا کریں - کہ اللہ تعالےٰ اچھے حال کے بعد بُرے حال سے بچائے۔ دینی اور دنیاوی

"رحمتوں کے پھول برسیں تیری تربت پر مدام"

حافظ نور محمد انور - کالاباغ

آہ ! دنیا سے ہیں رخصت ہو گئے احمد علیؒ
عالمانِ دیں میں جن کا نام نامی ہے جلی
ہر طرف چھائی ہوئی ہے حسرت و غم کی گھٹا
بن گیا ہے عالمِ اسلام اک ماتم سرا
حق پرستی کا سبق جس نے دیا ہر فرد کو
گامزن راہِ ہدایت پر کیا ہر فرد کو
ضو فشاں تھا گویا اک خورشید ملّت کے لئے
زندگی تھی وقف ان کی دیں کی خدمت کیلئے
رائیگاں ہرگز نہ جائے گا کبھی اس کا عمل
حشر میں اس کو صلہ دے گا خدائے عزّ و جل
تھا سدا تسبیح اور تہلیل اس کا شغل و کار
فقر و درویشی میں وہ لاریب تھا عالی وقار
شرع نبوی پر رہا جو زندگی بھر گامزن
جس کے سینے میں تھا دریا علم دیں موجزن
یاور و محبوب تھا سب کا وہ مردِ حق پرست
زندگی بھر جس نے باطل سے نہ کھائی تھی شکست
خدمتِ اسلام جس کی زندگی کا تھا شعار
اُس کی فرقت میں نہ ہو کیوں چشمِ ملّت اشکبار
تھی اشاعت دینِ حق کی جس کا عزمِ اُستوار
کیوں نہ ہو دارین میں وہ مردِ حق ذی افتخار
فخر کرتی ہی رہے گی ان پہ ملّت ہر گھڑی
سلسلہ تدریس کا اس کا نہ بھولے گا کبھی
سیرت و کردار میں لاریب تھا وہ بے مثال
اس کے چہرے سے عیاں انوارِ ربِّ ذوالجلال
یاد آتی ہے مجھے جس دم تری اے باخدا
اس گھڑی انور کے دل سے یہ نکلتی ہے دعا
رحمتوں کے پھول برسیں تیری تربت پر مدام
خُلد میں حاصل تجھے ہو ارفع و اعلیٰ مقام

دونوں حالتوں میں اچھی حالت کے بعد بعض مرتبہ بُری حالت ہو جاتی ہے۔

اچھی دنیاوی حالت یہ ہے کہ بڑے مالدار ہیں، کھانے پینے کے لئے اچھا سامان ہے۔ رہائش کا عمدہ انتظام ہے۔ اور بُری دنیاوی حالت یہ ہے کہ غریب بن گئے۔ کھانے کو کچھ نہیں ملتا، پریشانی ہے وغیرہ وغیرہ۔

دین کے معاملہ میں اچھا حال یہ ہے کہ شیخ کے طریقہ کے مطابق اپنے اذکار کو جاری رکھا جائے۔ جس طرح شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اللہ تعالےٰ کی یاد کرتے تھے۔ اُسی طرح اب شیخ کی وفات کے بعد ذکر الٰہی کیا جائے اگر ہم حضرت رح کی وفات کے بعد ذکر اذکار اور اللہ تعالےٰ کی عبادت چھوڑ دیں گے تو ہم اپنا ہی نقصان کریں گے۔ اللہ تعالےٰ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ شیخ کی وفات کے بعد خوف چلا جاتا ہے۔ ذکر چھوٹ جاتا ہے اور بُری حالت ہو جاتی ہے۔

بزرگان دین کی وفات کے بعد اچھی حالت رکھنے کا طریقہ صرف ایک ہی ہے وہ یہ کہ اپنے مرشد کی جماعت کو نہ چھوڑا جائے۔ جماعت میں آکر اسی طرح ذکر اذکار جاری رکھیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی یاد کریں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کی وفات کے بعد اس کی جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے سے اُسی طرح اللہ تعالےٰ کی یاد کرنے سے روحانی ترقی بدستور ہوتی رہتی ہے

اللہ تعالےٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کو استقامت عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو حضرت رح کے طریقہ پر مجلسِ ذکر میں حاضر ہو کر ذکر الٰہی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنا خوف عطا فرمائے۔ ہمارے دلوں کو نور سے بھر دے۔ خلوص اور شوق کے ساتھ اپنی یاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب کا خاتمہ ایمان کامل پر فرمائے۔ (آمین یا الہ العالمین!)

اللہ تعالےٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کو نور سے بھر دے اور ہم سب کو اُن کے

محمد امین ہیڈ ماسٹر بورسٹل جیل لاہور

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ سے

میری آخری مُلاقات

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ سے میری آخری ملاقات مورخہ ۱۸ ۲/۶۲ بروز اتوار ہوئی۔ مَیں اتوار کو عموماً آپ کے درس میں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس اتوار کو بھی علی الصّبح ہی پہنچ گیا۔ جب مسجد میں داخل ہُوا تو مجمع عام تھا اور حضرت ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ اکثر احباب ذکر و فکر اور قرآن خوانی میں محو تھے۔ اور بعض دروازے پر شوق زیارت کے لئے منتظر اور بیتاب نظر آتے تھے۔ مَیں نے سوچا کہ ابھی پونے سات نہیں ہوئے کیوں نہ گھر کے دروازے پر حاضر ہو کر بے تکلف شرفِ زیارت حاصل کر لوں۔ خادم مسجد نے مجھے بتایا کہ بس آیا ہی چاہتے ہیں۔ موٹر ابھی تک ادھر سے نہیں گذری۔ کیونکہ علالت کے پیشِ نظر اور ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق آپ گھر سے مسجد تک بھی موٹر ہی میں تشریف لاتے تھے۔ مگر مَیں وہاں انتظار کرنے کی بجائے ایک خاص جذبۂ الفت کے تحت کشاں کشاں درِ دولت پر جا پہنچا۔ جب مَیں دروازے پر پہنچا تو موٹر ابھی نہیں پہنچی تھی۔ چنانچہ میں نے ایک خاص جذبہ کے تحت مولانا صاحب عبیداللہ انور کے تصوّر سے ہلکی سی دستک دی۔ فوراً دروازہ کھلا۔ دیکھتا ہوں تو اندر حضرت مولانا احمد علی رح صاحب کھڑے ہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے نہایت مشفقانہ لہجے میں فرمایا۔ "آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مَیں ابھی مسجد میں آنے والا ہوں۔ صرف موٹر کی انتظار ہے۔"

اللہ! اللہ! ۷۶ برس کی عمر، نحیف و نزار، لاغر اور بیمار، ایک فرلانگ تک سفر کرنے کی اجازت نہیں مگر جذبۂ تبلیغ اور اشاعت توحید کا یہ عالم کہ مسجد تک لے جانے والی موٹر کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ حالانکہ موٹر آنے، ہارن بجنے یا بلانے پر بھی تشریف لا سکتے تھے۔ اور اندر چارپائی یا آرام کرسی پر بھی آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ میرا تاثر یہی ہے۔ کہ آپ اندر موٹر کی انتظار میں کھڑے تھے، یہ تھا آپ کا جذبۂ تبلیغ و اشاعتِ دین۔ میری خوش قسمتی تھی حضرت مولانا صاحب نے نہایت محبت اور تبسّم سے ہاتھ ملایا۔ مختصر باتیں بھی ہوئیں۔ مَیں ایک طرف تو اپنی قسمت پر شاداں تھا اور دوسری طرف کچھ محسوس کرتا تھا کہ شاید میری وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ آپ نے بھی میری بے چینی محسوس کی اور فرمایا۔ آپ میرے ساتھ موٹر میں چلیں۔ میں نے کسر نفسی کی اور واپسی کی اجازت چاہی۔ پھر آپ نے شفقت سے ہاتھ ملایا اور دعا فرمائی۔ مَیں ابھی چند قدم ہی مُڑا تھا کہ دوسری طرف سے ایک موٹر آئی اور آپ کو بٹھا کر مسجد میں لے آئی۔

آپ کا درس تو صغیر و کبیر امیر و فقیر، مرد و زن۔ غرضیکہ ہر ذوق و شوق کے لوگوں کے لئے مشہور تھا۔ گویا حضرت اپنی ذات میں ایک مجلس تھے۔ دن میں کئی طرح کے درس اور ذکر و فکر کی مجالس ہوتی تھیں۔ مگر اتوار کی صبح کا درس زیادہ پُر رونق ہوتا تھا۔ چنانچہ درس شروع ہُوا۔ حضرت نے

تلاوت فرمائی، تشریح اور تفسیر شروع کی۔ سبحان اللہ! علم اور حکمت کے موتی سیدھے سادے الفاظ ہیں۔ قلب اور روح کی عجیب کیفیت ہے کوئی رو رہا ہے اور کوئی سرد آہیں بھر رہا ہے۔ کوئی چہرۂ انور کی زیارت سے مستفید اور کوئی نورانی جھلک سے تسکین حاصل کر رہا ہے۔ کوئی آلۂ جہرالصوت (لاوڈ سپیکر) سے نحیف آواز پر ہمہ تن گوش ہے۔ علماء کی جماعت قرآن کھولے بیٹھی ہے۔ الغرض ہر کوئی ٹکٹکی باندھے زیارت اور آواز سے محظوظ ہے۔ ایک روحانی نظّارہ ہے جو قابلِ دید ہے۔ یہ میرا آخری درس تھا۔ اور اس درس کی امتیازی شان یہ تھی جو مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

"**لاھوریو!** تم نے اپنی اولاد کو بی۔ اے، ایم۔ اے، پی۔ ایچ ڈی کرایا، وکالت اور ڈاکٹری پڑھائی"۔ آپ نے زوردار لہجہ میں فرمایا" ایسی اولاد کو کیا کرنا اور کس کام کی۔ وہ اولاد جس کے لئے تم نے تو سب کچھ کیا۔ مگر وہ اپنے باپ کے جنازہ پر دعائے جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتی۔

لاھوریو! یاد رکھو۔ یہی اولاد قیامت کے دن جب پکڑی جائے گی تو پکار پکار کر کہے گی۔ خدایا! ہمارے بزرگوں اور والدین کا قصور ہے۔ جن کی ہم نے تابعداری کی۔ اور جنہوں نے ہمیں تیرا راستہ نہ دکھایا اس لئے ان کو ہم سے دُگنا عذاب دے۔ اے لاہوریو! اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا۔

لاہور کی ۱۸ لاکھ کی آبادی سے اتنے وکیل، اتنے کالجیٹ اور اتنے ڈاکٹر ہیں۔ یہاں پر اتنے سینما، اتنے کالج اور اتنے فحاشی کے اڈّے ہیں ذرا مجھے بتاؤ کہ کوئی لاہوری عالم دین بھی ہے؟" الیس منکم رجل الرشید"۔ لاہوریو! تم یہ ہرگز نہ کہہ سکوگے کہ خدایا ہمیں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ نے اتمام حجّت کر دیا ہے۔ اور مجھے دہلی سے اٹھا کر لاہور بٹھا دیا ہے میں گذشتہ ۴۶ برس سے قرآن کا درس دے رہا ہوں اور لاہوریوں پر شرطِ تبلیغ پوری کر رہا ہوں۔ ذرا غور کرو اور سوچو کہ اس وقت تمہارا کیا حشر ہوگا۔ خدا سے ڈرو تمہارے دین کا یہ عالم ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو آپ لوگ بیوہ کے گھر جا کر اس سے ہمدردی اور یتیموں سے پیار کی بجائے ان کا مال کھانا شروع کر دیتے ہو۔ مختلف قسم کی غیرضروری رسوم اور رواجوں میں یتیموں کا مال کھاتے ہو۔ حالانکہ قرآن کریم میں حکم ہے:۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

ترجمہ:۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔

تمہیں بیوہ کے بچوں کی تربیت کی فکر نہیں۔ تمہارے بے کس اور یتیم بھتیجے اداس اور حزن و یاس کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ مگر تمہیں ان کا مال کھانے کی حرص۔ خدا کا خوف کرو۔ جنازہ کی دُعا تک نہیں آتی اور مالِ مرحوم پر گہری نظر۔ ہاں اگر زیادہ شوق ہے تو خود جیب سے خرچ کرو۔ مرنے والے کے مال پر کیوں نظر ہے۔ چاہیئے تو یہ کہ بیوہ اور یتیم کی آسائش کا کوئی سامان کرو۔ مگر تمہیں اس کی پونجی تک ختم کرنے کی فکر ہے۔

اس کے بعد آپ نے نماز جنازہ پڑھ کر سنائی اور پھر وضاحت سے اس کا ترجمہ بھی سنایا۔ مزید فرمایا کہ کتنی جامع دعا ہے جس میں ہر مسلمان مرد، عورت، حاضر، غائب اور صغیر و کبیر سب کے لئے دعائے خیر ہے۔ لیکن یاد رکھو تمہیں ایسے مسائل وہی بتا سکتا ہے جو تمہارے سامنے چندہ کے لئے ہاتھ نہ پھیلائے تمہارا تنخواہ دار نہ ہو۔ جو شخص تمہاری روٹی کا محتاج ہو وُہ تمہیں ایسے مسائل کبھی نہیں بتا سکتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کا محتاج نہیں کیا۔ اسے لاہور کے امیرو اور کارخانہ دارو! خدا تعالےٰ نے مجھے بھی رزق اور مال دیا ہے۔ اور" مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" جہاں سے گمان بھی نہیں وہاں سے دیا ہے اور میں ماشاءاللہ اس مال سے ۱۳ دفعہ اللہ اور اس کے حبیبؐ کے گھر ہو آیا ہوں۔

پھر فرمایا:۔

" لاہوریو! تم اپنی بیویوں کو سینما لے جاتے ہو، کلب میں لے جاتے ہو۔ مخلوط اور عریانی پارٹیوں میں حصّہ لیتے ہو۔ ناچ گھروں تک لے جاتے اور حتّٰی کہ فحاشی تک سے نہیں شرماتے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ۔ لیکن تم اگر اپنی عورتوں کو نہیں لے جاتے اور نہیں بھیجتے تو دینی مجالس میں نہیں بھیجتے۔ جس خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ اس کے ذکر کی مجلس میں جاتے شرم آتی ہے۔ لیکن ان فحاشی کے مراکز میں لے جاتے شرم نہیں آتی۔ لاہوریو! خدا سے ڈرو۔ قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔

میں نے اتمام حجّت کر دی ہے۔ اب یہ نہیں کہہ سکوگے کہ ہمیں کسی نے بتایا نہیں۔ میں نے بتا دیا ہے۔"

اگرچہ درس میں اچھے اور نیک لوگ ہی موجود تھے مگر سب خاموش اور شرمندہ تھے کیونکہ عوام کی غلطیوں کا صحیح نقشہ کھینچا جا رہا تھا۔ اکثر آنکھیں پُرنم تھیں۔ اب جب کہ گذشتہ اتوار کے درس اور ان کے اپنے جنازے کی کیفیات سامنے آتی ہیں تو اس امتزاج سے ایک خاص اور عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس مردِ درویش کو عظمت بھی وہ عطا فرمائی کہ کسی نے کہا کہ غازی علم دینؒ کے بعد اتنا بڑا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ عام و خاص کا بے پناہ ہجوم تھا۔ جنازے میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہُوا سمندر اس اللہ والے کی روحانی عظمت اور دلوں میں حکومت، محبّت اور عقیدت کا نشان ہے اور یہی ولی کی نشانی ہے۔ کراچی تک کے احباب پہنچ گئے تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ چالیس مومن جس کی نماز جنازہ ادا کریں

وہ جنازہ بخشا جاتا ہے۔ بھلا جس جنازے میں ڈیڑھ لاکھ افراد شریک ہوں۔ رمضان المبارک کا مہینہ، کتنے اللہ کے پیارے، حاجی، حافظ، عالم، درویش، صوفی اور فقیر ہوں گے۔ عام مسلمانوں اور مومنوں کا اندازہ ہی کیا کہتے ہیں کہ بعض دفعہ نماز اور دعا پڑھنے والوں کی وجہ سے جنازہ بخشا جاتا ہے لیکن بعض اوقات جنازہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ جنازے والے کی روحانی عظمت سے شریکِ جنازہ بخشے جاتے ہیں۔

درس کے آخر میں آپ نے سب کے لئے دعا کی۔ آپ کی دعا ہمیشہ حاضر و غائب، اپنے اور بیگانے سب کے لئے ہوا کرتی تھی۔

اب حاضرین مصافحہ کے لئے بے قرار تھے۔ ایک عجیب منظر تھا کوئی مصافحہ کر رہا ہے کوئی دُعا کروا رہا ہے اور کوئی پانی پر دم کروا رہا ہے۔ بڑوں سے محبت اور بچوں پر شفقت ہو رہی ہے۔ خاص مقربین پاؤں داب رہے ہیں اور چہرے پر مشفقانہ تبسم ہے۔ میری باری آئی تو شفقت بھری نگاہ سے دیکھا اور محبت سے ہاتھ ملایا۔ کیا خبر تھی کہ یہ آخری مصافحہ ہے۔

اگلے جمعہ کے روز گیارہ بجے دن مسجد میں تشریف لائے۔ مگر طبیعت خراب ہو گئی اور آپ واپس گھر چلے گئے۔ اور اسی رات کو ۹½ بجے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ إنا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۲۴ر فروری ہفتہ کی صبح کو آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سن کر شہر بھر میں کہرام مچ گیا۔

اللہ والوں کے جنازے کے نظارے بھی قابل دید ہوتے ہیں کیا لکھوں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسا کہ سارا شہر الٹ آیا ہے۔ مقامی اور دُور و نزدیک سے مرد و زن جنازہ پر ٹوٹ رہے تھے۔ زیارت کرنے اور جنازے کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہر کوئی بیکل تھا۔ مگر باری نہیں آتی تھی۔ چہرہ نمائی کا سلسلہ صبح سے لے کر شام تک ختم نہ ہو سکا اس گنہگار آنکھ نے دو مرتبہ شرفِ زیارت حاصل کیا۔ کیا عرض کروں چہرے پر نور برس رہا تھا۔ اور جنازے کے جلوس کا نظارہ تو قابلِ دید اور مرنے والے کی روحانی عظمت کا ثبوت تھا ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

؎
مرنے والے کی جبین روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

بقیہ اداریہ صفحہ ۵ سے آگے

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری کے چشمہ ہائے فیض جاری ہیں۔

ابھی حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم کے خمخانوں سے شرابِ توحید کے جام پلائے جا رہے ہیں۔ ابھی حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب مردان، حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلم، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوال جیسے خدام اسلام ہماری رہنمائی کے لئے باقی ہیں۔ ہمارے ان مرحومین بزرگوں کے خلفاء اور متوسلین اور ان کے جانشین علماء ہزاروں کی تعداد میں زندہ ہیں۔

خدا را ہمت نہ ہاریں۔ اللہ تعالیٰ حیّ و قیوم ہے۔ اس کا دین زندہ دین ہے۔ اس کی خدمت کر کے ہم بھی دوامی زندگی حاصل کر کے اپنے بزرگوں کی روحوں کے لئے باعثِ تسکین بن سکتے ہیں۔ تمام علماء اسلام اور حضرت اقدسؒ کے خلفاء کا فرض ہے کہ وہ انا للہ و انا الیہ راجعون کے مفہوم پر یقین کرتے ہوئے نظام العلماء کی تنظیم کو مضبوط بنا کر اور شریعت و طریقت کی مناسب اور شایانِ شان خدمت کے لئے کمربستہ ہو کر اپنے ان بزرگوں کی مبارک روحوں کے لئے حقیقی مسرت کا سامان مہیّا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں صبر عطا فرمائے اور اسلام کی خدمت کی توفیق دے۔ آمین!

توبہ کا بیان

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ یَا رَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِیْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِیْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ رَوَاهُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک شیطان نے اپنے پروردگار سے عرض کیا قسم ہے تیری عزت کی اے پروردگار میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ جب تک ان کی روحیں ان کے جسم میں ہیں۔ پروردگار بزرگ و برتر نے فرمایا۔ اور قسم ہے مجھ کو اپنی عزت اور اپنے جلال کی اور اپنے بلند مرتبہ کی جب تک میرے بندے مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں ہمیشہ ان کو بخشتا رہوں گا۔

بچوں کا صفحہ

اسلام اور اخلاقی زندگی

نہیں خُلق جس میں وہ انساں نہیں ہے
نہیں جس میں خوشبو وہ ریحاں نہیں ہے

انا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق ۔ (ترجمہ) "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں بھیجا ہی اس لئے گیا ہوں کہ مکارم اخلاق اور اخلاق حسنہ کو پورا کروں"

تو گویا سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کو اخلاق ذمیمہ افعال قبیحہ سے نکال کر اخلاق حمیدہ اعمال صالحہ کو عملی جامہ پہناکر قلب انسانی میں نور خدا اور قرب خداوندی پیدا کر دیں ۔ اس لئے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود اخلاق کے اعلیٰ مدارج و مراتب پر جلوہ افروز تھے ۔ اور اخلاقِ حمیدہ اوصافِ جمیلہ کا کوئی مقام ایسا نہ تھا جس کو آپؐ نے طے نہ کیا ہو اللہ تبارک تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ۔ کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ "یعنی بیشک (اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)) آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر ہیں" ۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو اخلاقِ حسنہ سے آراستہ و پیراستہ کرنا تھا ۔ اور فرمایا ۔ حَسِّنُوْا اَخْلَاقَکُمْ "یعنی تم اپنی عادتوں کو اچھا کرو" ۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان کی طبیعت ابتدا سے جیسی بن چکی ہے ویسی ہی رہتی ہے تو یہ قیاس باطل محض ہے جب ہم جانوروں سے سرکشی چھڑا سکتے ہیں وحشی درندوں کو اپنا مطیع بنا سکتے ہیں تو ہم اپنے اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حسنہ سے کیوں نہیں تبدیل کر سکتے ۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کے دل میں دونوں چیزوں کا الہام کیا ہے یعنی برائی اور اچھائی کا ، نیکی اور بدی کا ۔ جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک پر اپنی زندگی کو ڈھالیں گے اور عملی جامہ پہنائیں گے تو یقیناً صحیح معنوں میں انسان بن جائیں گے زمانہ گواہ ہے اور احادیث مبارکہ شاہد اور تاریخ کے بیسیوں واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین اور ملحدین عرب کو اپنے اخلاق حمیدہ سے نور ایمان اور دولت جاودانی بخشی اور جو دشمن ہمہ وقت آپ کے قتل کے درپے رہتے تھے وہ آپ کے محافظ اور متوالے بن گئے ۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آپ سے کچھ بکریاں مانگیں تو آپ نے اس یہودی کو بہت سی بکریاں دے دیں تو وہ یہودی آپ کی شفقت اور اخلاق سے بہت متاثر ہوا ۔ اور اپنی قوم میں جا کر لوگوں سے کہنے لگا کہ اے لوگو ! مسلمان ہو جاؤ ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر سخی ہیں کہ ان کو اپنے تنگدست ہونے کا بھی خیال نہیں ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ آدمی بہت ہی بُرا کرتا ہے جس کے پاس کوئی آدمی کچھ مانگنے کے لئے آئے اور وہ اس کو نہ دے اور اگر اس آدمی کو جنّت کے انعامات کا شوق بھی نہ ہو اور جہنّم کا ڈر خوف بھی نہ ہو تو کم از کم مانگنے والے کو اخلاق سے کہہ دے تاکہ بُرا نہ منائے ۔

منظور احمد صادق آبادی
متعلم جامعہ رشیدیہ منٹگمری

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ایڈیٹر عبیداللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۳۲۱/۷ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۷۳۰-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء